

”یہ تو اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے.....اب اسے کیا کہا جائے کہ انہیں آدمیوں سے زیادہ کتے پسند ہیں۔“ حمید نے بڑا سامنہ بنا کر کہا۔

”یہ بات انہیں حمید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر انہیں شہناز کی بے گناہی کا یقین آ جانا تو وہ سر دھڑکی بازی لگا دیتے۔“

”مجھ سے زیادہ آپ انہیں نہیں جانتے۔“ حمید نے کہا۔

”اب ہٹ دھری کو کیا کہا جائے۔“ انپکٹر سنہا نے سگار کا کش لے کر کہا، بہر حال مجھے اس سے بحث نہیں، میں اسے مجرم سمجھتا ہوں، اسلئے میں اسی کے مطابق کام کر رہا ہوں، اور جو کچھ آپ سمجھتے ہیں اس کیلئے آپ کوشش کرتے رہئے۔ فیصلہ وقت کرے گا۔“

”آخ رأسے مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کے لئے حضشہناز کا عائب ہو جانا ہی کافی نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، ممکن ہے کہ مجرموں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کے لئے اسے عائب کر دیا ہو۔“

”میں اس وقت آپ کو یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں اتنا یہ قوف نہیں۔ اس کے لئے میرے پاس بہت عی پختہ تم کے ثبوت ہیں، اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجرم اس تم کی پال چل سکتے ہیں۔“

”خیر صاحب..... وہ ثبوت بھی دیکھ لیتا ہوں۔“

”نہیں آپ مذاق نہ سمجھئے..... میں سمجھدی سے کہہ رہا ہوں۔“ انپکٹر سنہا نے جیب سے ایک کاغذ کا ٹکڑا انکالتے ہوئے کہا۔ ”اے دیکھئے۔“

حمد نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا۔

”تم نے جس ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا ہے اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ تم آج سے باقاعدہ گروہ میں شامل کر لی گئیں۔ لیکن اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ پولیس کو تم پر سڑک ہو گیا ہے لہذا کچھ دنوں کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ۔ بی ون اور بی تؤ آج ایک بیجے دن کنتھی رنگ کی کار پر تمہارے مکان کے سامنے سے گزریں گے، تم انہیں سڑک پر ملنا۔

بقیہ کام وہ دونوں خود کر لیں گے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔“

پڑھتے پڑھتے حید کی پیشائی پر پہنچ پھوٹ پڑا۔ اس کا دل شدت سے ڈھڑک رہا تھا۔ جس کی دھمک اسے اپنے سر میں محسوس ہو رہی تھی۔ ہونٹ خلک ہو گئے تھے۔ اس نے ہوتوں پر زبان پھیرتے ہوئے کاغذ سنہا کو د

”بھی یہ ثبوت بھی کچھ ایسا مستحکم نہیں معلوم ہوتا۔“ حید نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف مجرموں نے اسے غائب کر دیا ہوا اور دوسری طرف پولیس کا شبہ اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے یہ خط بھی لکھ دیا، لیکن آپ کو یہ خط کہاں سے ملا۔“

”یہ خط شہزاد کے گھر کی علاشی لیتے وقت اس کی لکھنے کی میز کے نیچے پڑا ملا تھا۔“ سنہا نے کہا۔ ”اور وہ گئی امکانات کی بات تو یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ہی اصل مجرم ہوں یا فریبی صاحب محض اصل مجرم ہونے کی وجہ سے باہر چلے گئے ہوں یا پھر آپ..... امکانات کے تحت تو سب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔“

”خیر..... خیر.....!“ حید نے اکتا کر کہا۔ ”ان سب باتوں سے کیا حاصل۔ اصل بات تو ایک نہ ایک دن سامنے آئی جائے گی، بہر حال میں اپنے مشاہدات کی بناء پر شہزاد کو بے گناہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔“ و اپنی کردیا۔

”آپ اس کے لئے قطعی آزاد ہیں۔“ انکی سنہا نہیں کر بولا۔ ”خیالات پر تو پابندی لگائی نہیں جاسکتی۔“

تحوڑی دری کے بعد سنہا اٹھ کر چلا گیا۔ حید بھی سک خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن سنہا کے جاتے علی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تو کیا واپسی شہزاد مجرم ہے..... مگر نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اسے بہر حال اپنے اور اپنے خاندان کی عزت کا بہت خیال تھا۔ مجرم دور سے پہنچنے جاسکتے ہیں۔ لیکن شہزاد کو قریب سے دیکھ کر بھی کبھی اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ شہزاد مجرم بھی کر سکتی ہے اور پھر ایسا بھی سک اور دل رازادینے والا جرم۔ اس کی فطرت

میں نسائیت کا رچاو..... اسے کسی ایسے بھائیک کام کی طرف بھی نہیں لے جاتا۔ پھر آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ سب آخر کیسے ہوا اور پھر یہ خط۔ سوچتے سوچتے حید کا سر چکرانے لگا اور وہ صوفے کی پشت پر سریک کر ٹھیک حال سا ہو گیا۔

پُر اسرار عورت

حید کا دل بُری طرح الجھ رہا تھا۔ بُھی وہ سچ شہناز پر شک کرنے لگتا اور بُھی یہ شک محبت کی لہر اپنے ساتھ بھالے جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ خط شہناز کو طلا ہوتا تو وہ اسے اتنی بے اعتیاضی سے میز کے پیچے نہ ڈال دیتی اور یہ بُھی عجیب بات ہے کہ پولیس کا شہر رفع کرنے کے لئے روپوش ہو گئی۔ اسی صورت میں تو اسے یہیں موجود رہنا چاہئے تھا تاکہ پولیس کے ٹکوک رفع ہو جائیں۔ مگر نہیں ایسا بُھی ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے اسے محض اس لئے غائب کر دیا ہے کہ کہیں پولیس اس پر جبر کر کے سارا راز اگلوان لے، مگر اسی صورت میں بُھی شہناز وہ خط پڑھنے کے بعد ضرور جلا دیتی۔ پھر آخر کیا بات ہے۔ وہ اکتا کفریدی کے خط کا جواب لکھنے پڑھ گیا۔ مگر لکھے کیا۔ فریدی کی طرف سے ایک طرح کی نفرت اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا کیونکہ بہر حال وہ اس کا ماتحت تھہرا۔ اس نے یونہی ایک رسی ساخت لکھنا شروع کر دیا لیکن یہ ڈگوکا تذکرہ سو اس کے کچھ اور نہ لکھا کہ اس کے کھو جانے پر اسے افسوس ہے۔ شہناز کے متعلق بُھی یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اس درمیان میں اس نے کیا کیا۔ اس کے متعلق اس نے کچھ لکھنا قطعی بیکار سمجھا۔ اس نے تکمل ارادہ کر لیا کہ اس بہم کو وہ اکیلے ہی سر کرنے کی کوشش کرے گا اور فریدی کو یہ دکھادے گا کہ وہ زرا بدھوئی نہیں ہے۔ آخر سے بُھی تو ترقی کرنی ہی ہے۔ کب تک فریدی کا سہارا لیتا رہے گا۔ اس طرح تو شاید اسے زندگی بھر ترقی کا منہ دیکھنا فصیب نہ ہو۔ رہ گیا فریدی تو وہ اچھا خاصا بُھلی ہے۔ کتنی

بار چیف اسپکٹری ملی۔ شکرا دیا۔ نہ جانے کس قماش کا آدمی ہے۔ اس کی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی یہ حال ہوتا ہے چاہے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو خواہ تجوہ ہر معاشرے میں ٹائگ اڑائی جاتی ہے اور جب کوئی خاص موقع آتا ہے تو اتنی صفائی سے الگ ہو جاتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ حید کے اور اس کے تعلقات برادرانہ تھے لیکن پھر بھی اس نے اس کی پرواف نہیں کی اور یہاں سے چلا گیا۔ اگر شہناز سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی جان تک کی بازی لگ دیتے۔ حید جتنا سوچتا چارہا تھا اس کی طبیعت کی اکتا ہست بڑھتی ہی گئی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی آٹھ بجاء ہی تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ آرکھوں ہی میں چل کر دل بہلا دیا جائے اور اس طرح شاید کرٹل پر کاش کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے۔ مگر اس کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ وہ تو قطعی غیر متعلق آدمی ہے۔ صورت سے خطرناک ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اس واقعہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اس کے پیچے پڑنا خواہ تجوہ وقت بر باد کرنا ہے۔

اس نے کپڑے پہنے، پہلے سوچا کہ فریدی کی کارنکال لے لیکن پھر کچھ سوچ کر پیدل ہی چل پڑا۔ آگے چل کر ایک ٹیکسی کی اور آرکھوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

رقص گاہ میں کافی رونق تھی۔ ابھی تاچ شروع نہیں ہوا تھا۔ لوگ ادھر ادھر بیٹھے کچھ کھا پی رہے تھے۔ شراب کے کاؤنٹر پر اچھی خاصی بھیز تھی۔ حید نے پھملتی سی نظر پورے مجھ پر ڈالی۔ ایک میز پر کرٹل پر کاش بیٹھا کچھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اخبار بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس میز پر تھا ہی تھا۔ باقی تین کریاں خالی تھیں۔ اسی کے قریب ایک اور میز خالی تھا۔ حید نے نہ جانے کیوں اپنے لئے وہی جگہ منتخب کی۔

کرٹل پر کاش اپنے گردو پیش سے بے خبر پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حید کو اسے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اسے پہلے سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔

حید ادھر ادھر بیٹھی ہوئی عورتوں کو عمدًا اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ ایک بہت اوپا شام کا آدمی ہو۔ فھٹا اس نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا لیڈی سیتا رام ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ پیچے سے کرٹل پر کاش کے پیچے کھڑی ہو گئی۔ کرٹل پر کاش بدستور پڑھنے میں مشغول رہا۔ لیڈی

سیتا رام ستائیں اٹھائیں سال کی ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس کے ہوت بہت زیادہ پتے تھے، جن پر بہت شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اپنے ہوت بھجن رکھے ہوں پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹس بد نہان گیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ چند لمحے اسی طرح کرٹل پر کاش کے پیچھے کھڑی رہی پھر آہستہ سے کچھ کہا اور واپس جانے کے لئے مڑ گئی کرٹل پر کاش چوک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر شراحت آمیز مکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ لیڈی سیتا رام اور پر گلری میں جانے کے لئے زینے پر چڑھ رہا تھا۔ حمید حرمت سے ٹکلیں جھپکانے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں قطعی نہ آئی کہ لیڈی سیتا رام کرٹل پر کاش سے اس قسم کی واقفیت کیسے رکھتی ہے، جب کہ خود سیتا رام اس کے لئے قطعی اجھی تھے، اور ان دونوں کی پہلی ملاقات لارنس باغ میں خود اسی کے سامنے ہوئی تھی۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے، حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ اٹھا اپر واہی سے نہلتا ہوا خود بھی اسی زینے پر چڑھنے لگا۔ گلری خالی پڑی تھی۔ اس نے بالکنی میں جھاک کر دیکھا۔ وہ دونوں چنگلے پر جھکے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، انہیں کے قریب کے دو سکھوں کے نیچے سے آتی ہوئی تر پھیلی ہوئی تھی۔ اور آکر ترنے اتنا پھیلا د اختیار کیا تھا کہ بالکنی کا وہ حصہ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ سرجنت حمید دوسرے دروازے سے نکل کر ترنی کی آڑ میں چھپ گیا۔ اس طرف اندر ہمراہونے کے سبب سے ادھر والوں کی نگاہیں حمید تک پہنچی دشوار تھیں۔ بہر حال وہ ایک ایک جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سے ان کی گنگلوکا ایک ایک لفظ صاف سن سکتا تھا۔

لیڈی سیتا رام کہہ رہی تھی۔

”کرٹل..... تم شاید کوئی جادو گر ہو۔“

”کیوں..... کیوں خیریت تو ہے۔“ کرٹل پر کاش قہقہہ لگا کر بولا۔

”مجھے ہتاو کر میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ کیوں گزارنا چاہتی ہوں۔“

”یہ اپنے دل سے پوچھو۔“ کرٹل پر کاش بہت ہی رومانسک انداز میں بولا۔
”کاش میں افریقہ میں پیدا ہوئی ہوتی۔“

”تب تم اتنی حسین نہ ہوتی۔“

”تو کیا میں واقعی حسین ہوں۔“

”کاش میں تمہارے حسن کی تصویر الفاظ میں کھینچ لے۔“

”ہنوبھی۔“ لیڈی سیتا رام نے شر میلے انداز میں کہا۔

”لیڈی سیتا رام میں کج کہتا ہوں کہ.....!“

”دیکھو کر تلمیز میرا نام جانتے ہو۔“ وہ پر کاش کی بات کاٹ کر بولی۔ ”مجھے اس منحوس نام سے مت یاد کیا کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“

”اچھا چلو یہی کسی ہاں تو حسین ریکھا میں ایک سپاٹی تم کا اکٹھ آدمی ہوں۔“

لیکن تمہاری پیاری پیاری سی شخصیت نے مجھے بالکل موم بنا دیا ہے۔“

”تم مجھے یہ قوف ہمارے ہو۔“ لیڈی سیتا رام ناز سے بولی۔

”نہیں ریکھا تم پہلی عورت ہو جس نے مجھے اتنا ممتاز کیا ہے۔ میں ابھی تک کنوارا ہوں۔ بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کاش تم میرے حصے میں آئی ہوتی۔“

”میری ایسی قسمت کہاں تھی۔“ لیڈی سیتا رام سرد آہ بھر کر بولی۔

”ہاں اور سنو.....!“ کرٹل پر کاش بولا۔ ”آج شام اتفاقاً تمہارے کھوٹ سے ملاقات ہو گئی۔ مجھے سے مل کر بہت خوش ہوا ہے اور کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔ کتنا لطف رہے گا۔ جب وہ میرا تعارف تم سے ایک ابھی کی جیشیت سے کرائے گا۔ مجھے تو سوچ کر کہاں آری ہے۔“

”بہت اچھا ہوا ذیر کرٹل اب میں تم سے باقاعدہ مل سکوں گی۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں۔“

”تم نہیں بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہاں ایک ایسے انمول ہیرے کا قرب

نصیب ہوا ہے جس کا ٹانی دیتا میں نہیں۔“

”اور تم بھرے ہیروں کے تاج.....!“ لیڈی سیتا رام قہقہہ لگا کر بولی۔

کرٹل پر کاش پہنچنے لگا۔

”آں یہ کون آ رہا ہے۔“ لیڈی سیتا رام چوک کر بولی۔ ”میرا بھتیجا سریندر کمار..... اچھا کرٹل صاحب..... اب تم نیچے جاؤ..... میں بھی ابھی آئی۔ سریندر کے سامنے ہمیں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی بننا پڑے گا۔“

”اچھا میں چلا..... لیکن یہ تو ہتاو کہ اب کب ملیں گے۔“

”بہت جلد.....!“ لیڈی سیتا رام نے کہا اور ٹھہری ہوئی بالکنی کے دوسرے کنارے تک چلی گئی۔

لقریباً دس پندرہ مسٹ تک وہ وہاں ٹھہری رہی پھر وہ بھی نیچے چلی گئی۔ حمید لتر کی آڑ سے نکلا اور پوری بالکنی کا چکر یہاں ہوا دوسرے زینے سے نیچے اتر آیا۔ ناق شروع ہو چکا تھا۔ کرٹل پر کاش ایک نو عمر لڑکی کے ساتھ ناق رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک کنارے میٹھے ہوئے کچھ پی رہے تھے۔ حمید دونوں کو دیکھتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں پر جھی ہوئی تھیں۔ سریندر ایک معمولی جسمت کا گھر خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوت پہن رکھا تھا، جو اس پر بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ دوسرا راو غیر شروع ہونے پر لیڈی سیتا رام اور سریندر اٹھ کر ٹھہلتے ہوئے گلری کے زینوں کی طرف گئے۔ دوسرے لمحے میں دونوں عاسیت تھے۔ کرٹل پر کاش اب ایک دوسری عورت کے ساتھ ناق رہا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہا کہ ان دونوں کے پیچے جائے، وہ ٹھہلتا ہوا زینے کے قریب آیا لیکن یہ دیکھ کر ٹھہک گیا کہ کرٹل پر کاش کی نگاہیں ذرا ادھر ادھر ہوں اور وہ زینے پر چڑھ جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کرٹل پر کاش کے قدم پر کچھ مضبوط تھے۔ وہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پلی گیا ہو۔ اس کے ساتھ ناپنے والی عورت نے شاید اسے محسوس کر لیا تھا لہذا وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یک بیک کرٹل پر کاش نے خود اسے چھوڑ دیا اور لڑکھڑا تا

ہوازینے کی طرف بڑھا۔

حمد متحیر تھا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ اوپر کیوں جا رہا ہے، کیونکہ ابھی ابھی لیڈی سیتا رام نے اس سے کہا تھا کہ وہ سریندر کی موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں گے۔ حید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ کرٹل پر کاش لڑکھڑا آتا ہوا نیچے اتر آیا۔ غصے سے اس کے نتھنے پھول رہے تھے، خچلا ہوتا ہو اس نے اپنے دانتوں میں دبار کھا تھا۔ وہ لڑکھڑا آتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ حید نے ادھر ادھر دیکھا اور دبے پاؤں زینے پر چڑھتا چلا گیا۔

اب پھر وہ اسی لتر کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جنگل پر جکھے ہوئے تھے۔

”سریندر ڈارنگ، میں اب اس طرح زندہ رہنا نہیں چاہتی۔“ لیڈی سیتا رام بولی۔

”تو آخر اس میں پریشانی کی کوئی بات نہ ہے۔ دنیا کی نظروں میں اگر ہم چھپ جیتے تو رہ کر ہی زندگی کا لطف اٹھائیں تو کیا حرج ہے۔“ سریندر نے کہا۔

”لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔“ لیڈی سیتا رام نے کہا۔

”بسم اللہ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں بُرائی کیا ہے۔“ سریندر بولا۔

”میں اس بوڑھے کھوست کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔“ لیڈی سیتا رام نے کہا۔

”یہ ذرا دشوار چیز ہے لیکن تم جو کہوں میں کرنے کیلئے تیار ہوں۔“ سریندر بولا۔

”آؤ ہم تم کہیں دور پڑے جائیں، بہت دور..... جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔“

”آر رنہیں..... وہاں ہمارا کھانا کون پکائے گا۔“ سریندر نہیں کر بولا۔

”شریکیں کے۔“ لیڈی سیتا رام نے کہا اور سریندر ”او او“ کرتا ہوا ایک طرف ہٹ کیا۔

غالباً لیڈی سیتا رام نے اس کے چکلی کاٹ لی تھی۔

حید نے مخفی خیز انداز میں سر ہلایا اور چپکے سے گلری میں آگیا۔

گیارہ بجے رات کو جب وہ گھر واپس آ رہا تھا تو اس کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا

تحا۔ عجیب و غریب عورت ہے، ایک طرف تو بھیجنے کو چھائی رکھا ہے اور دوسری طرف کرٹل پر کاش کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ کرٹل بڑے غصے میں نیچے اتراتا تھا، غالباً اس نے بھی ان کی گفتگو سنی ہوگی۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اس کا دماغ پھر الجھنے لگا، لیکن ان سب باتوں کا شہنشاہ کے واقعے سے کیا تعلق۔ وہ آخر ان کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر لیڈی سیتا رام ہی نے تو پولیس کو شہنشاہ کی طرف سے شہبے میں جلا کیا تھا اور یہ بھی تو رام علگہ کے ساتھ ناچھتی تھی۔ یہ ایک فاحشہ عورت ہے اور رام علگہ اُنکی عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ یہاں تک تو کریاں ملتی ہیں لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لیڈی سیتا رام ایک دولت مند آدمی کی بیوی ہے۔ مغلس تو ہے نہیں کہ عورت فروشوں سے اس کی رسم دروازہ ہو۔ عجیب معمر ہے۔ اُنکی پراسرار عورت آج تک اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کم بخت چہرہ اتنا پروقار ہے کہ کوئی بھی اس سے ذلیل حرکتوں کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ سبی عورت جو سماں میں کافی عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے کس قدر گری ہوئی ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شہنشاہ بھی اُنکی ہی ہو۔ وہ کافی آزاد خیال ہے۔ رقص گاہوں میں مردوں کے راتر ناچتی پھرتی ہے۔ اُسے اپنی محبت پر نفرت کی ہلکی سی تہہ چھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

سر سیتا رام

دوسرے دن حیدر سخت الجھن میں تھا کہ کس طرح سر سیتا رام تک رسائی حاصل کرے۔ اسے اس دلچسپ ڈرائے کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات نے اس کی ساری توجہ منعطف کرالی تھی، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لیڈی سیتا رام اور کرٹل پر کاش جو پہلے سے ایک دوسرے کے گھرے دوست ہیں سر سیتا رام کے سامنے اجنبیوں کی طرح کیسے ملتے ہیں، وہ دن بھر تام تبدیل ہیں سوچتا رہا کہ کس طرح اسی وقت سر سیتا رام کے

یہاں پہنچ جائے، جب کہ کرٹل پر کاش بھی یہاں موجود ہو۔ آفس میں بھی اس کا دل نہ لگا اور آفس بند ہونے کے وقت سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا، جیسے جیسے شام نزدیک آتی جا رہی تھی اس کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ڈرائیکر روم میں ایک صوف پر لیٹا خیالات میں گم تھا کہ نوکرنے ایک ملاقلاتی کارڈ لے کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

”ڈاکٹر محمود.....!“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”انہیں اندر بیجج دو۔“ حمید اٹھ کر بینہ گیا۔

”آداب غرض ہے حمید صاحب۔“ ڈاکٹر محمود نے ڈرائیکر روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ یہ ایک ادمی عمر کا جامد زیب آدمی تھا۔ چہرہ ڈاکٹر اور موچھوں سے صاف تھا۔ اس کے فریڈی کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ جانوروں کے ہسپتال کا انچارج تھا اور کتوں کے امر اپنے کام ہے۔ وہ اپنی اسی خصوصیت کی بناء پر اوپنجی سوسائٹی میں خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ ویسے وہ خود متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ خود نمائی جیسی بُری عادت کا شکار ہو گیا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنے طبقے کے لوگوں میں بینہ کر ہمیشہ لمبی چوڑی باتیں کیا کرتے ہیں۔ مقصد محض یہ جتنا ہوتا ہے کہ اوپنجی سوسائٹیوں میں ان کی خاص اہمیت ہے۔ اس کا ملاقلاتی کارڈ دیکھتے ہی حمید کو الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کرنا وہ محض تفہیج اوقات سمجھتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی باتوں میں نوے فیصدی جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود تو بعض اوقات قدیم شاعری کے مبالغہ کی سرحدوں سے مکرانے لگتا ہے۔ وہ زیادہ تر اونچے طبقے کی عورتوں کی باتیں کیا کرتا تھا، مثلاً فلاں نج کی بیوی نے اسے یوں مسکرا کر دیکھا، فلاں سینہ کی بیوی اس کے ساتھ بھاگ جانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ فلاں کرٹل کی بیوہ بہن اس پر بُری طرح لٹو ہو رہی ہے۔ فلاں ایڈو وکیٹ کی لڑکی تو اس کے لئے زہر لکھا لینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرہ برادر بھی پر واہ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی بیوی کئی پچھے جن چکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی معلوم ہوتی تھی اور اس کے حسن کا تو یہ عالم ہے کہ شاید حوریں بھی اس کی قسم کھاتی ہوں گی۔

حمد ڈاکٹر محمود کو دیکھ کر زبردستی مسکراتا ہوا اٹھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے وقت خواہ نخواہ گرم

جوئی کا مظاہرہ کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

”کیا فریدی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بھی نہیں، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”بھی حمید صاحب کیا بتاؤں..... معلوم نہیں آپ لوگوں سے اتنی محبت ہو گئی ہے، حالت یہ ہے کہ اگر زیادہ دنوں تک آپ لوگوں سے نہ ملوں تو عجیب قسم کی ابھسن ہونے لگتی ہے۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔

”محبت ہے آپ کی.....!“ حمید مسکرا کر بولा۔ ”وہ دانتہ طور پر زیادہ بات چیت نہیں کرتا چاہتا تھا تاکہ جلد ہی پیچھا چھوٹ جائے۔“

”اس وقت سریتا رام کے یہاں تی پارٹی میں جا رہا تھا، سوچا گئے ہاتھ آپ لوگوں سے بھی ملتا چلوں، ویسے مجھے فرصت کہاں۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔ ”بھی کیا بتاؤں میں تو اس تی پارٹی کو محض تضعیف اوقات سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں یہ لوگ کسی طرح مانند ہی نہیں۔ اب آج ہی کا واقعہ لے لجئے سریتا رام کا آدمی دعوت نامہ لے کر آیا۔ میں نے ٹالنے کے لئے جواب لکھ دیا کہ میں معافی چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس ایک مہمان آگئے ہیں، لیکن صاحب بھلا سریتا رام کہاں ماننے لگے، فوراً ہی کہلا بھیجا کہ مہمان سمیت آ جاؤ۔ مرنا کیا نہ کرتا جانا ہی پڑے گا۔ جا کر کہوں گا کہ مہمان کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لئے وہ نہ آ سکے۔“

حمدی کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے سوچا کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ مہمان والی بات سو فیصدی غب ہے، لیکن وہ پھر بھی کہہ ہی بیٹھا۔

”تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، میں آپ کا مہمان بن کر چلا جاؤں گا۔“

”ارے آپ کہاں..... آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے جھپٹی ہوئی ہنسی ہنتے ہوئے کہا۔

”نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”اور اگر کسی نے پچان لیا تو.....!“ ڈاکٹر محمود نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔ ”مجھے

بڑی شرمندگی اخہانی پڑے گی۔“

”کمال کر دیا آپ نے.....!“ حمید نے فس کر کہا۔ ”ارے صاحب میں بھیں بدلت کر چلوں گا۔“

”تب تو آپ واقعی مذاق کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے قبھر لگا کر کہا۔

”بخارا میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ مجھے سریتا رام کے کتوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہاں تک پہنچوں مگر کوئی معقول بہانہ ہاتھ نہ آسکا۔“

”اگر یہ بات ہے تو میں کسی موقع پر آپ کو ان سے ملاوں گا۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔

”آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں..... آج کل خوش قسمتی سے کوئی کیس نہیں ہے۔ اس لئے فرصت ہی فرصت ہے، ورنہ معلوم نہیں کہ اور کس وقت پھر مصروف ہونا پڑے۔“

”مگر.....!“ ڈاکٹر محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اگر مگر کچھ نہیں..... میں اس وقت آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”آخر آپ کو پریشانی کس بات کی ہے جب کہ سیریتا رام آپ کو مہمان سمیت دعو کر چکے ہیں۔“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سوچتا ہوں کہ اگر آپ بھیں بدلتے پر پیچان لئے گئے تو بڑی خرابی ہوگی۔“ ڈاکٹر محمود نے زخم ہو کر کہا۔

”اس کا ذمہ میں لیتا ہوں۔“ حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”اگر کوئی پیچان لے تو میں مبلغ ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، کہنے تو اس کے لئے تحریر دے دوں۔“ ڈاکٹر محمود سخت الحسن میں پڑ گیا۔ وہ اُن پارٹی میں مدعا ضرور تھا، لیکن مہمان والی بات اس نے محض اپنی لاپرواں اور اوچے طبقے کی نظریوں میں کوئی اہمیت نہ ہونے کے انکھار کے لئے یوں عی کہہ دی تھی۔ اب اسے اپنی حمایت پر بخت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب ہوئی کیا سکتا تھا۔ تیرکمان سے نکل چکا تھا..... مجبوراً اسے حمید کی بات ماننی ہی پڑی۔ حمید اسے ڈرائیک روم میں

بھا کر خود چلنے کی تیاری کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر محمود بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔ خواہ نتوہ کی بلا گلے لگ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں سے کتراتا تھا جن سے اوپر جی سوسائٹی میں اس کی سکلی ہو۔ کبھی بن بلائے مہمان کو اپنے ساتھ ایسکی جگہ لے جانا سراستہ تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، متوسط طبقے کی زندگی میں تو خیر ہر چیز جائز ہے، لیکن اعلیٰ طبقے کے افراد ان باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں، محمود بیٹھا الجھ رہا تھا کہ ایک پرانے وضع کے مسلمان ریس نے ڈرائیکٹر روم میں داخل ہو کر کہا۔ "السلام علیکم۔"

ڈاکٹر محمود چونکہ کھڑا ہو گا۔ آنے والے کی ظاہری وجہت اُسے نبڑی طرح مرعوب کر رہی تھی۔

"کیا فریدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" آنے والے نے بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں..... وہ تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے جلدی سے کہا۔

"آپ کی تعریف.....!" اجنبی نے ڈاکٹر محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈاکٹر محمود کہتے ہیں، جانوروں کے ہسپتال کا انچارج ہوں۔"

"بہت خوب..... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" اجنبی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

"آپ نے میری تعریف نہیں پوچھی، انتہائی بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں آپ۔" اجنبی نے نبڑا سامنہ بنا کر کہا۔

ڈاکٹر محمود گزیرہ اکر ہکلانے لگا۔

"مگر اونہیں پیارے ڈاکٹر.....!" اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "جب تم مجھے نہیں پہچان سکتے تو پھر کون مالی کا لال پہچان سکے گا۔"

"ارے صاحب.....!" ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔ "خدا کی قسم کمال کر دیا۔"

"اچھا تو اب اچھی طرح سمجھ لجئے میری تعریف یہ ہے۔" حمید نہیں کر بولा۔ "خان بہادر

مجاہد مرزا..... اودھ کا بہت بڑا تعلق دار..... کیا سمجھے اور کتوں کا شوقیں۔۔۔“

”سمجھ گیا..... اچھی طرح سمجھ گیا۔ مجھے اب کوئی پریشانی نہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔
دونوں کار پر بیٹھ کر سیتا رام کی کوششی کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوششی کے پائیں باغ میں ایک بڑی سی میز پھی ہوئی تھی، جس پر دعوت کا سامان سلیمانی
سے چنا ہوا تھا۔ سریتا رام، لیڈی سیتا رام، سریندر اور دو ایک دوسرے آدمی کریمیوں پر بیٹھے
خوش گپتوں میں مشغول تھے۔ کریل پر کاش ابھی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹر محمود اور حمید کے پیچے پر سب
لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ایک قدیم وضع کے اجنبی کو دیکھ کر لیڈی سیتا رام نے رہاسا
منہ بنایا۔ سریتا رام کا موز بھی کچھ خراب ہو گیا۔

”سریتا رام آپ سے ملنے۔“ ڈاکٹر محمود نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ ہیں میرے دوست
خان بہادر مجاہد مرزا اودھ کے بہت بڑے تعلق دار..... آپ کا سلسلہ نصب واجد علی شاہ مرحوم
سے ملتا ہے۔“

”اوہ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ سریتا رام نے انھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملا تے
ہوئے کہا۔

”مجھے آپ سے ملنے کا بے حد انتیاق تھا.....“ حمید نے کہا۔ ”حالانکہ مجھے اس وقت نہ
آن چاہئے تھا لیکن میں آج رات گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہوں، محمود صاحب یہاں آرہے
تھے، میں نے سوچا گلے ہاتھ آپ سے بھی مل لوں۔“

”اڑے خان بہادر صاحب..... یہ خانہ بے ٹکف ہے۔“ سریتا رام نے کہا۔

”میری خوش قسمتی ہے کہ اس طرح آپ سے نیاز حاصل ہوا، مجھے خاندانی آدمیوں سے
مل کر بے حد سرت ہوتی ہے۔“

”غلوص ہے آپ کا۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”در اصل مجھے جو چیز یہاں تک کھینچ کر لائی
ہے وہ آپ کے کتے ہیں۔ مجھے بھی کتوں کا شوق ہے۔“

”تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔“ سریتا رام نے پچوں کی طرح ہنستے ہوئے

کہا۔ لیڈی سیتا رام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ سریتا رام اور حمید میں کتوں کے متعلق ایک بھی بحث چھڑ گئی۔ دونوں علی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہئے تھے۔ طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سریتا رام کے کتابخانہ کی سیر کی جائیگی۔

تحوڑی دیر کے بعد کرٹل پر کاش بھی آگیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سریتا رام زیادہ گرجوٹی کے ساتھ اس کا استقبال کرنے کے لئے پڑھے۔

”آئیے آئیے کرٹل صاحب..... ہم سب بے چینی سے آپکا انتظار کر رہے تھے۔“

”شکریہ، شکریہ۔“ کرٹل پر کاش مسکراتا ہوا بولا۔

”ان سے ملنے۔“ سریتا رام نے تعارف کرنا شروع کیا۔ ”ریکھا میری بیوی۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ کرٹل پر کاش نے ہاتھ ملاتے وقت قد رے جک کر

کہا۔

لیڈی سیتا رام کے ماتھے پر پینے کی ہلکی ہلکی بوندیں بچوٹ آئیں تھیں۔ وہ ہاتھ ملا کر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموشی سے بینٹ گئی۔ اس کے بعد فرد افردا سب سے تعارف ہوا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ کرٹل پر کاش کی نظر بار بار اس پر پڑ رہی ہے۔ وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر مسکرا کر باتمیں کرنے لگا۔ لیڈی سیتا رام بدستور خاموش تھی۔ غالباً سریتا رام نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔ لہذا ایک موقع پر بے اختیار کہہ اٹھے۔

”کرٹل صاحب ریکھا کو زیادہ باتمیں کرنے کی عادت نہیں اور اجنبیوں سے وہ کچھ شرماتی بھی ہے۔“

”خوب یہ تو اچھی عادت ہے۔“ کرٹل پر کاش نے مسکرا کر کہا۔ ”کم از کم ہر شریف عورت میں یہ صفت تو ہونی علی چاہئے۔ کیا خیال ہے نواب صاحب!“

”بجا ارشاد ہوا.....!“ حمید نے کہا۔

چائے کا دور ختم ہو جانے کے بعد سریتا رام سب کو لے کر کتابخانے کی طرف چلے گئے۔

کرٹل پر کاش اور حمید نے کتوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلبے ملانے شروع کئے۔
ایک کتے کی نسل کے بارے میں دونوں میں بحث ہو گئی۔ دونوں کسی طرح چپ ہونے کا نام
عی نہ لیتے تھے۔ حمید کو اپنی معلومات پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ وہ بھی فریدی جیسے ماہر کا صحبت یافتہ
تھا۔ بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر آخر کار سریتا رام کو چھپ بچاؤ کرانا پڑا۔

سب کتوں کو دیکھ لینے کے بعد وہ پھر باغ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر آبیٹھے۔

”اچھا سریتا رام..... اب میں اجازت چاہوں گا۔“ کرٹل پر کاش نے کہا۔

”اسکی بھی کیا جلدی۔“

”ذرما بھجتے تجارتی معاملات کے سلسلے میں ایک صاحب سے ملتا ہے۔“

”اب تو برابر ملاقات ہوتی رہے گی تا۔“ سریتا رام نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

”جب تک یہاں مقیم ہوں آپ کا دم غیرمت ہے..... یہاں اور کوئی اچھی سوسائیتی ابھی

تک طی نہیں۔“

سریتا رام نے دانت نکال دیئے۔

کرٹل پر کاش کے رخصت ہو جانے پر بقیر لوگ بھی ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔

”جب بھی یہاں تشریف لایے گا غریب خانے کو نہ بھولے گا۔“ سریتا رام نے حمید
سے کہا۔

”ضرور ضرور..... آپ کے اخلاق نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کبھی لکھنؤ تشریف
لایے۔“

”کیا بتاؤں نہ جانے کیوں اب گھر چھوڑتے وقت کچھ ابھسن سی محسوں ہوتی ہے۔“

حمدیوں ہی خواہ تباہ ہئے لگا اور اس کی نگاہ لیدی سیتا رام کی طرف اٹھ گئی، جو اسے
بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

بُرے پھنسے

حید کو اپنی حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے یہ کیوں کہہ دیا کہ وہ آج ہی رات کی گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہے۔ اب اس طرح فی الحال وہ وہاں نہ جائے گا۔ اسے فریدی کی ہدایت یاد آگئی کہ کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ معلوم نہیں اس نے یہ کیوں کہا تھا۔ حید سوچنے لگا۔ کہا ہو گا اپنا اپنا طریقہ کار ہے، جب فریدی کو اس کیس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو خواہ توہاہ کیوں اس کی ہدایتوں کے چکر میں پڑ کر اپنا کام خراب کرے اب وہ پھر کرٹل پر کاش کے پیچے لگ گیا تھا۔ دو تین دن اسی قسم کے چکروں میں گزر گئے۔ لیکن کوئی کار آمد بات نہ معلوم ہو گکی۔ ان تین چار دنوں میں لیڈی سیتا رام اور کرٹل پر کاش باقاعدہ طور پر کھلم کھلا ایک درے سے ملنے لگے تھے۔ لیڈی سیتا رام اب آرکچو میں سریندر کے سامنے بھی کرٹل پر کاش کے ساتھ ناجائز تھی۔ حید محسوس کر رہا تھا کہ سریندر کو کرٹل پر کاش اور لیڈی سیتا رام کی بے تکلفی قطعی پسند نہیں۔ حید کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ کرٹل پر کاش لیڈی سیتا رام اور سریندر کے تعلقات کے بارے میں جانتے ہوئے بھی کیوں اس پر بُری طرح رنجھا ہوا ہے۔ بار بار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کاش فریدی یہاں موجود ہوتا۔ اسے اس درمیان فریدی سے تھوڑی سی چیز ضرور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو کبھی کا سارا معمول ہو گیا ہوتا۔ اس کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ اس نے فریدی کو سارے حالات لکھ دیے اس طرح ممکن تھا کہ وہ ایسے عجیب و غریب معنے کو حل کرنے کے شوق میں بیماری ہی کی حالت میں چلا آتا۔

ان دنوں اسے شہزاد کی یاد بُری طرح ستاری تھی۔ اس کی بے گناہی کا پورا پورا

یقین تھا۔ ویے کبھی کبھی وہ اس کی بڑھی ہوئی آزادی اور لیڈی سیتا رام کے عادات و اطوار کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے بد دل ضرور ہو جاتا تھا لیکن یہ کیفیت بالکل عارضی ہوتی تھی۔ وہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دنیا کی ساری عورتیں یا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، عشق و محبت کے معاملے میں وہ ایک کھلنڈ را اور بے پرواہ آدمی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیس و فرہاد تم کی محبت کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس نے اب سے پہلے بھی کہی عشق کے تھے لیکن وہ صرف قلمی گاؤں اور بے ٹکلی ہائے وائے ہی تک محدود رہے تھے اور ویے وہ فریدی کو چلانے کے لئے بھی اکثر ایک آدھ عشق کر رہتھا تھا۔ ایسی کہانیوں کے محبوب عموماً فرضی ہوا کرتے تھے۔ شہناز سے بھی اس کی محض دوستی تھی لیکن اس درمیان میں اسے اُس سے حد درجہ ہمدردی ہو گئی تھی۔ اور یہ ہمدردی آہستہ آہستہ دوسری شکل اختیار کرتی چارتی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنی کوئی رات نارے گن گن کر گزاری ہو۔ یا محض آہیں بھرنا شعار بنا لیا ہو۔ دونوں وقت پیش بھر کر کھانا کھاتا تھا۔ آرچنڈ میں جا کر ایک آدھ را اونٹا چتا بھی تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور تھا کہ شہناز کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی بھی بازی ضرور لگا سکتا تھا۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر سکتا تھا۔

آج شام کو جب وہ آفس سے واپس آیا تو اسے فریدی کا خط ملا۔ جس میں اس نے سب سے پہلے شہناز کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر یہ تو ٹکوکا تودھا اور آخر میں اپنی بیماری کا حال لکھا تھا۔ وہ ابھی تک بیمار تھا۔ فقاہت بہت زیادہ تھی اس لئے سفر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ آخر میں اس نے پھر تاکید کیا تھی کہ اُسے تمام حالات سے مطلع کیا جائے۔ فریدی کا خط پڑھ کر حمید کے دل میں ہمدردی کے جذبات جاؤ اٹھے۔ وہ محبت جاؤ انھی جو اسے فریدی سے تھی، اسے فریدی سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ اپنے بڑے بھائی سے ہو سکتی ہے۔ اگر فریدی نے اُسے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ تم پریشان ہو کر یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شہناز کے سلسلے میں تنتیش میں مشغول رہنا تو وہ ایک آدھ بخت کی چھٹی لے کر بھی ضرور جاتا اور جس طرح بھی بن پڑتا فریدی کو وہاں سے لانے کی کوشش کرتا۔

ناشر کرنے کے بعد حمید نے فریڈی کو خط لکھتا شروع کیا۔ سارے حالات مفصل لکھے، بلو
ڈیگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ محض اس کی وجہ سے اسے اتنی باتیں معلوم ہو گئیں اور وہ بہت
جلد اسے کرٹل پر کاش سے قانونی طور پر چھین لے گا۔ خط ختم کر کچنے کے بعد وہ سو گیا۔

آج رات کو آرچو میں خاص پروگرام تھا۔ لکھ کا دام اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ زیادہ تر
صرف اعلیٰ طبقہ ہی کے لوگ اس میں حصہ لے سکتے تھے۔ کرٹل پر کاش کی دریافت کے بعد سے
حمید روزانہ آرچو جاتا تھا اس لئے رات کو سونے کا موقع کم ملتا تھا۔ بھی وجہ تھی کہ آج کل دن
میں سونا اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ سوکر اٹھا۔ ناوقت سونے سے طبیعت کچھ سلمند ہو گئی تھی۔ لیکن کافی
کے ایک پیالے نے اس کے جسم میں حرارت و تواثائی پیدا کر دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر
اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور آرچو کی طرف روانہ ہو گیا۔

آرچو کی رقص گاہ آج بالکل انوکھے انداز میں سجائی گئی تھی۔ چاروں طرف تھبتوں کے
نوارے اچھل رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں کرٹل پر کاش اور لیڈی سیتا رام کو ڈھونڈھ رہی تھیں لیکن
وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے تھے۔ حمید اپر گلری میں گیا۔ بالکل بھی خالی تھی۔ پھر نہ ملتا ہوا کرٹل
پر کاش کے کمرے کی طرف گیا وہ بھی بند تھا۔ تھک ہار کر وہ ہال میں لوٹ آیا۔ ایک جگہ ایک میز
خالی نظر آئی، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ کرٹل پر کاش کے لئے پہلے ہی سے "محصول" کر دی
گئی ہے۔ ایک میز کے گرد دو اینگلو افریقین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، باقی دو کریساں خالی تھیں، وہ
ان کے قریب گیا۔

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور.....!" دونوں بیک وقت بولیں۔

حمید ان کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ وہ یوں بھی کافی حسین تھا اور اس وقت عمدہ قسم کے
سیاہ سنت میں وہ کوئی ذی حیثیت اینگلو افریقین معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً وہ دونوں بھی اسے اینگلو^ا
افریقین سمجھی تھیں۔ حمید نے بیٹھتے ہی ان پر رعب ڈالنے کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا

آرڈر دیا۔

”آپ ہم لوگوں کے لئے تکلیف نہ کیجئے۔“ لڑکوں میں سے ایک بولی۔
”واہ یہ کیسے ممکن ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”معاف کیجئے گا ہم لوگ ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے، جنہیں ہم جانتے نہ
ہوں۔“

”تو اس میں ہرج عی کیا ہے.....اب آپ مجھے جان جائیں گی۔ مجھے آرٹر کہتے ہیں،
آپ کے شہر میں نووارد ہوں۔“

دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

”یہ جولیا ہے اور میں لڑی.....ہم دونوں اسٹوڈنٹ ہیں۔“

”کتنے بارے ہیں آپ دونوں کے نام.....جولیا.....لڑی.....ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے
کسی نے کانوں میں شہد پکا دیا ہو۔“

”تو آپ شاعر بھی ہیں۔“ جولیا نے مسکرا کر کہا۔

”کاش میں شاعر ہوتا، جولیا...لڑی...لڑی...جولیا...!“

اتھے میں بیرا طلب کی ہوئی چیزیں لے کر آگیا۔ تینوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

تموزی دری کے بعد ناج کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ناج کے لئے کس سے درخواست کروں۔“ حمید نے
کہا۔

”ہم دونوں باری باری سے ناجیں گے۔“ جولیا نے کہا۔

اور لڑی انٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دونوں آہستہ آہستہ
جنپش کرتے ہوئے ناچنے والوں کی بھیڑ میں آگئے۔

”تم نے بہت زیادہ پی رکھی ہے۔“ لڑی مسکرا کر بولی۔

”میں نے.....نہیں ایک قطرہ بھی نہیں۔“

”کون کی پینے ہو.....!“

”اسکاچ.....!“ حمید نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن میں نے اتوار کے دن پینے سے قسم کھا رکھی ہے۔“

”کیوں.....؟“

”میں تھوڑا سا مذہبی آدمی بھی ہوں۔“

”یہ بہت بُرھی بات ہے۔“

”اچھی ہو یا بُری..... اصول ہر حال اصول ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”تم کوئی پیٹی ہو۔“

”شیری.....!“

”اچھا تو میں تھوڑی شیری ضرور پاؤں گا۔“

”تم بہت حسین ہو۔“

”ایک بار ایک بڑھانے بھی مجھ سے سہی کہا تھا۔“

وہی کھل کھلا کر بُرپہ پڑی۔

”تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کا قرب مجھے سب کچھ بنا دیتا ہے۔“

”باتیں خوب بنا لیتے ہو۔“

”میں روزانہ ایک درجن باتیں بناتا ہوں اور پھر انہیں پیک کر کے بکتے کے لئے بازار میں بیج دیتا ہوں۔“

”تم ضرور پئے ہوئے ہو۔“

”تمہاری ستاروں سے زیادہ چمکدار آنکھوں کی قسم میں نئے میں نہیں ہوں۔“

”خیر ہو گا..... تم بہت اچھا ناج لیتے ہو۔“

فُتح حمید کی نظر میں اس میز کی طرف اٹھ گئیں جو کرٹل پر کاش کے لئے مخصوص تھی۔ شاید کرٹل پر کاش، لیڈی سیتا رام اور سریندر ابھی ابھی آ کر بیٹھنے تھے۔ لیڈی سیتا رام اس وقت

بہت زیادہ بچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر ستابے کے بعد کرٹل پر کاش اور لیڈی سیتا رام ناپنے کے لئے تیار ہو گئے۔

حمد اور لڑی کی بار ناپنے ہوئے کرٹل پر کاش اور لیڈی سیتا رام کے قریب سے گزرے لیڈی سیتا رام شراب کے نشے میں بدمست تھی۔

قص کی سوتیقی رفت رفت تیزی ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک پورے ہال میں اندر ہمراچھا گیا تھا۔ شاید فیوز اڑ گیا تھا۔ اندر میں عجیب قسم کا بیجان برپا ہو گیا۔ دھلتا ایک عورت کی جی ٹنائی وی۔

”اے اے..... چھوڑو..... اے چھوڑو..... میرا ہار..... میرا ہار.....!“ وہ بُری طرح جی رہی تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کسی تیز قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں کے بعد پھر روشنی ہو گئی۔ ایک جوان عورت جو لباس سے کافی دولت مند معلوم ہو رہی تھی ”میرا ہار میرا ہار“ ابھی تک پہنچنے جا رہی تھی۔ لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

”کسی نے میرا ہیروں کا ہار اٹا ریا.....!“ وہ جیخ کر بولی۔

اسنے میجر بھی آگیا۔ اس نے ہال کے سب دروازے مغلل کر دیے۔

”خواتین و حضرات!“ وہ ایک میز پر کھڑا ہو کر بولا۔ ”مجھے سخت افسوس ہے کسی بد معاش نے لیڈی اقبال کا ہار چا لیا۔ مجبوراً مجھے اس وقت تک کے لئے سب دروازے مغلل کر دیے چکے جب تک کہ پولیس آ کر کوئی کارروائی نہ شروع کر دے۔ امید ہے کہ آپ لوگ مجھے اس گستاخی پر معاف فرمائیں گے۔“

”بالکل ٹھیک ہے..... بالکل ٹھیک ہے۔“ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

کچھ دیر بعد پولیس آگئی۔ ایک سرے سے سب کی ٹلاشی شروع ہو گئی۔ ٹلاشی لینے والوں میں انکھڑ جلد لیش بھی تھا۔ جب وہ حمید کے قریب آیا تو حمید نے بھی اپنے ہاتھ اندازیے۔

”اے آپ.....!“ جلد لیش ٹھیک کر بولا۔ ”کیوں مذاق کرتے ہیں۔“

وہ آگے بڑھنے لگا۔

”خہرو..... میری ٹلاشی بھی لیتے جاؤ۔“ حید نے آہتہ سے کہا۔
جلد لیش بھی ٹھک گیا۔

”جلدی کرو..... پچھاڑ نہیں..... مصلحت یہی ہے اور میرے لئے بالکل ابھی بنے رہو۔“ جلد لیش نے حید کی بھی ٹلاشی لی اور آگے بڑھ گیا۔ حید خود بھی اپنی تیز نظر وں سے برابر کام لے رہا تھا۔ لیکن اسے اپنی طرح یقین ہو گیا تھا کہ چور اس وقت ہال میں موجود نہیں۔ کیونکہ عورت کے چیختنے کے دو قسم منٹ بعد تک ہال میں اندر صرار ہاتھا۔ اس وقت میں چور نہایت آسانی سے باہر جا سکتا تھا۔ اس وقت کی ٹلاشی محض رسمی کارروائی بمحض رہا تھا۔

ٹلاشی کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر پولیس والوں نے دروازے کھلوادیے۔ تھوڑی دری بعد ہال میں بالکل سناٹا تھا۔ صرف وہی لوگ باتی رہ گئے تھے جو آرکھوں میں مستقل طور پر خہرے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر بھی ابھی موجود تھے۔ انہیں کے قریب کی ایک میز پر حید بھی کافی پی رہا تھا۔ پولیس والے کچھ دری خہر کر واپس چلے گئے۔ لیڈی اقبال ابھی تک فیجر سے ابھی ہوئی تھی۔ فیجر غریب نری طرح بدھوں تھا کیونکہ اس کے ہوٹل میں یہ دوسرا حادثہ تھا اور اب کوئی چیز ہوٹل کو بدنامی سے نہیں بچ سکتی تھی۔

”اب چلتا چاہئے۔“ لیڈی سیتا رام بولی۔

”اسی بھی کیا جلدی۔“ کرٹل پر کاش نے کہا۔ ”کچھ دری چل کر میرے کمرے میں بیٹھئے پھر چلی جائیے گا..... کیوں سریندر صاحب۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ سریندر نے کہا۔

”تینوں انٹھ کر زینوں کی طرف بڑھ۔“

حید ان کا پیچھا کرنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ وہ اس وقت خاص طور پر کرٹل پر کاش کا پیچھا کرنے کا عادی ہو گیا تھا جب لیڈی سیتا رام بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور اس وقت تو سریندر بھی تھا۔ کرٹل پر کاش کا رقبہ۔ اس وقت ان کا پیچھا کرنے کی سب سے بڑی

وجہ یہ تھی کہ کرٹل پر کاش نے ان دونوں کو اتنی رات گئے روکا کیوں ہے۔ حمید بھی اخہاز یعنی طے کر کے وہ اوپر آیا۔ کرٹل پر کاش کے کروں کے سامنے ایک چھوٹا سا سمجھن تھا، جسے قد آدم دیواروں نے چاروں طرف سے گھیر کھا تھا۔ اس طرح یہ حصہ ہوٹل کے بقیہ حصوں سے بالکل الگ ہو گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اس وقت ادھر کوئی نہیں آ سکتا اس نے اپنی آنکھ دروازے کی کنجی کے سوراخ سے لگادی۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کرٹل پر کاش ٹھیل رہا تھا۔

”میں اس وقت آپ لوگوں کو اپنا ایک کرتب دکھانا چاہتا ہوں۔“ وہ ٹھیلے ٹھیلے رک کر

بولا۔

سریندر اور لیڈی سیتا رام اسے تجہب سے دیکھنے لگے۔

”یہ دیکھئے..... یہ رہا..... لیڈی اقبال کا ہاں.....!“

”اے.....!“ کہہ کر لیڈی سیتا رام اور سریندر کھڑے ہو گئے۔

کرٹل پر کاش نے ایک زور دار قیقبہ لگایا۔

”میں آپ کو اتنا گرا ہو انہیں سمجھتا تھا۔“ سریندر نے تیز لہجے میں کہا۔

”اوہ میرے شیر.....!“ کرٹل پر کاش طنزیہ نہیں کیسا تھا بولا۔ ”تم کس سے کم ہو۔“

”کیا مطلب.....!“ سریندر جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے۔

”مطلوب صاف ہے، ذرا اسے ملاحظہ فرمائیے۔“ کرٹل پر کاش نے ایک کاغذ نکال کر سریندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سریندر کا غذ لیکر پڑھنے لگا۔ اسکی پریشانی سے پسینے کی بوندیں ڈھلنے لگیں، اس نے کاغذ چھاڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں کرٹل پر کاش کے ہاتھ میں پستول تھا۔

”خبردار..... ادھر لاو، ورنہ بھجا اڑا دوں گا۔“ اس نے آہتہ سے کہا۔ ”تم غلط سمجھے۔“

میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔“

سریندر نے کاغذ لوٹا دیا۔ لیکن وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیڈی سیتارام کے چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یک بیک وہ گوگلی ہو گئی ہو۔ کبھی وہ سریندر کی طرف دیکھتی اور کبھی کرٹل پر کاش کی طرف۔

”میں اس کاغذ کی پوری کہانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔“ کرٹل پر کاش نے کہا۔

”نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ سریندر بدقسم تمام بولا۔

”خیر تم ابھی بچے ہو..... مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں اب آؤ کام کی بات کی طرف۔

میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”کس بات کا سمجھوتہ۔“

”ہاں اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔“ کرٹل پر کاش میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”جانتے ہو میں افریقہ سے یہاں کس لئے آیا ہوں، یہ تینوں ہمارے عی ہیں اور یہ دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس ہماری اصلی قیمت سے لیڈی اقبال بھی واقف نہیں۔ ہاں تو یہ ہماری تجویز سے چجائے گئے تھے۔ میں عرصہ تک ان کی تلاش میں سرگردان رہا۔ آخر مجھے پہنچا کہ تینوں ہماراں ملک میں فروخت کئے گئے ہیں۔ میں یہاں آیا اور عرصہ تک ادھر ادھر کی خاک چھانتا رہا۔ آخر کار مجھے معلوم ہو گیا کہ تینوں ہمارے شہر میں فروخت کئے گئے ہیں۔ ایک تو میں نے حاصل کر لیا۔ باقی رہے دو ہمارے۔ ان کے متعلق کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے قبضے میں ہیں۔ بہر حال میں جس معاملے میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم دونوں مجھے یہاں کے بڑے آدمیوں سے ملاو۔ میں اپنے ہمارے حاصل کر کے واپس چلا جاؤں گا اور ایک بہادر کی طرح وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔“

لیڈی سیتارام اور سریندر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں بے بُکی سے ایک دوسرے کی

طرف دیکھ رہے تھے۔

”میرا دوستی کا ہاتھ ہمیشہ تم لوگوں کی طرف بڑھا رہے گا۔“ کرٹل پر کاش پھر بولا۔ ”تم

جب بھی یہاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلفی کے ساتھ افریقہ آ سکتے ہو، میں ہمیشہ

تمہیں اپنا عیسیٰ سمجھوں گا۔ تم لوگ ابھی مجھ سے واقف نہیں۔ میں تمہیں ایک رات میں کروڑ پتی
بنائے ہوں..... بولو کیا کہتے ہو۔"

"منظور ہے.....! سریندر نے کہا۔

"شباش..... مجھے تم سے بھی امید تھی..... بغیر ایک دوسرے کے کام آئے..... زندہ
رہنا بے کار ہے۔"

کرٹل پر کاش خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا چیز وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو۔ اچانک وہ
دروازے کی طرف چھپتا۔ اور دروازہ کھول دیا۔ حمید سنجلنے بھی نہ پایا تھا کہ کرٹل پر کاش کا ہاتھ
اس کی گردان پر پڑا۔

"خبردار شورتہ کرنا..... ورنہ یہیں ڈھیر کر دوں گا۔" کرٹل پر کاش نے حمید کو کمرے کے
اندر دھکیل کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

لیڈی سیتا رام اور سریندر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کون ہے.....؟" دونوں بے ساختہ بولے۔

حمد بے بھی سے فرش پر پڑا کرٹل پر کاش کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔

"کون ہے ابے تو.....!" کرٹل پر کاش گریخ کر بولا۔

"تمیز سے بات کرو۔" حمید اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا جی..... سیدھی طرح بتاؤ نہیں تو.....!"

"اگر میں نہ بتاؤں تو۔"

"میرا ایک کارتوس خواہ مخواہ خراب ہو گا....." کرٹل پر کاش بولا۔ "اس کے لمحے میں
سفا کی اور درندگی محسوس ہو رہی تھی۔"

حیدر رضا اٹھا۔

"جانتے ہو کرٹل پر کاش کا راز معلوم کرنے والے کی سزا موت ہے۔" کرٹل نے کہا۔

"خبریت چاہتے ہو تو سیدھی طرح بتاؤ وہ کہ تم کون ہو۔"

”تم ذرا گولی چلا کر تو دیکھو۔“ حمید جی کڑا کر کے بولا۔ ”کرٹل پر کاش تم نے شاید ابھی تک کسی برادر والے سے ملنے نہیں لی۔“

”واہ رے میری مینڈ کی۔“ کرٹل پر کاش نے کہا۔ ”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ورنہ میں ابھی تم سے اگلوالیتا..... خیر پھر سکی۔“

کرٹل پر کاش نے میز پر رکھا ہوا روں اٹھا کر حمید کے سر پر دے مارا..... حمید تھوڑا کر گر پڑا۔ اس نے دو تین روں اور رسید کئے۔ حمید بیہوش ہو چکا تھا۔

”دیکھا تم نے.....!“ کرٹل دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”اس طرح لوگ میرے پیچھے گئے ہوئے ہیں، معلوم نہیں یہ کون ہے۔ شکر ہے کہ میں نے بات کی رو میں تمہارے راز پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ مگر یہ مشکلکوں ضرور ہو گیا ہو گا۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ کون ہے، ورنہ میں اس کو اسی وقت تھکانے لگا دیتا۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے رکھا کہاں جائے۔“

”اس کا انظام میں کروں گی۔“ لیڈی سیتارام جلدی سے بولی۔ ”لیکن اسے یہاں سے کس طرح لے جایا جائے گا۔“

”نہایت آسانی سے..... یہ میں کروں گا۔“ کرٹل پر کاش نے کہا اور حمید پر جھک گیا۔ حمید کا سر پھٹ گیا تھا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ کرٹل پر کاش نے زخم صاف کر کے پٹی پاندھ دی۔

”سر پندر آؤ..... اسے پکڑ کر نیچے لے چلیں۔ کار تو تم لائے ہی ہو گے۔“ کرٹل نے کہا۔

”تو کیا اسی طرح نیچے لے جائے گا۔“ لیڈی سیتارام حیرت سے بولی۔

”ہاں..... اسی طرح..... تم گھبراو نہیں..... تم ابھی مجھے نہیں جانتیں۔“

حمد کو ایک طرف سے سر پندر نے پکڑا اور دوسری طرف سے کرٹل پر کاش نے اور اسے سہارا دیتے ہوئے لے چلے۔

نیچے اتر کر وہ ہال سے گزر رہے تھے کہ فوجر لپکتا ہوا ان کی طرف آیا۔

”کیوں..... کرٹل صاحب کیا بات ہے۔“

”ارے صاحب کیا بتاؤں..... آج کل کے لوگوں کے جسم میں سکت نہیں اور پنے پر آئیں گے تو قرابے کے قرابے صاف..... صاجزاء نے وہ اچھل کو دمچائی کر سر ہی پھوڑ بیٹھے۔ اب انہیں ان کے گمراہ بھینکنے جا رہا ہوں۔ منع کر رہا تھا کہ زیادہ نہ پینے..... مگر کون سنتا ہے۔“

منجر مسکرا کر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

”کیوں سریندر کیسی رہی۔“ کرٹل پر کاش کار میں بیٹھ کر بولا۔

”ماننا ہوں استاد.....!“

”میں آپ کو اتنا دلیر نہیں سمجھتی تھی۔“ لیڈی سیدارام بولی۔

”ابھی تم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے..... مجھے کرٹل پر کاش کہتے ہیں۔“

کار تاریک سڑکوں پر اپنی روشنی بکھرتی ہوئی تیزی سے سریدارام کی کوشش کی طرف جاری تھی۔

پریم کہانی

حید کو ہوش آیا تو اسے اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی معلوم ہوئی، سر بری طرح دکھر رہا تھا۔ خون زیادہ پہ جانے کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے ادھر ادھر ہاتھ پر چڑھا چلائے۔ وہ ایک چٹالی پر پڑا تھا، تھوڑی دریک وہ آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھوڑتا رہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اس کے ذہن میں ناچنے لگے۔ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں پڑا ہوا ہے۔ اس کا تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کہیں پر قید ہے۔ اس نے کرٹل پر کاش کار از معلوم کر لیا تھا۔ لہذا وہ اسے آزاد کیوں چھوڑ نے

لگا۔ آخر لیڈی سیتا رام وغیرہ کا راز کیا تھا، جس کی طرف کرٹل پر کاش نے اشارہ کیا تھا۔ کہیں یہ رام سنگھ کے قتل کی طرف تو اشارہ نہیں تھا۔ یہ کرٹل پر کاش بھی انہائی سفاک آدمی معلوم ہوتا۔

جید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے چلا رہا ہو۔ اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ سوتا رہا۔
اچاک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی کی نرم و لطیف سانس اس کے چہرے کو چھوڑی ہو۔
کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے ان میں مر جیں بھر دی گئی ہوں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اب کسی کی نرم نرم انگلیاں اس کے بالوں پر آہستہ آہستہ ریک ریک رہیں۔
”جید صاحب۔“ کسی نے آہستہ سے یکارا۔

وہ چونک پڑا۔ آواز جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار حمید نے بے تحاش آنکھ سرخول دک اور انتہائی نقاہت کے باوجود بھگی وہ شرپڑا کر انھوں بخدا۔

”ارے تم.....شہزاد.....!“ وہ خوشی اور تعجب کے ملے جعلے لبھے میں چینا۔

شہزاد نے سر ہلا دیا۔ اس کا سرخ و پید رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقوں پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر سیاہی کی بھلی کی تہہ جم گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔

”یہ آپ کے سر میں کیا ہوا.....آپ کے کوٹ پر خون کے دھبے کیسے ہیں۔“ شہزاد ایک بھی سانس میں کھڑا گئی۔

"یہ ایک بھی داستان ہے....." حمید نے کہا۔ "مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ابھی بتا سکوں۔

میں تمہارے متعلق معلومات کرنے کیلئے چاہب ہوں۔ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔“

”یہ میں بعد کو بتاؤں گی۔ آپ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں کیا کروں۔“

".....! " حمید نے ایک فقاہت آمیز مکراہت کے ساتھ کہا اور پھر چٹائی پر لیٹ گیا۔

شہناز نے اپنا دوپٹہ تھہ کر کے اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے
قطرے گالوں پر ڈھلک آئے۔

”تم رور عی ہو پگلی کہیں کی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”میں تمہیں پانے کے لئے جدوجہد
کر رہا تھا..... پالیا..... اب میں نہایت سکون کے ساتھ مر سکتا ہوں۔“
شہناز بچکیاں لے کر رو نے لگی۔

”تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔“ حمید نے پوچھا۔
شہناز نے سر ہلا دیا۔

”تو میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ رو نہیں..... میں اپنے دل کو اس وقت
بہت زیادہ کمزور محسوس کر رہا ہوں۔“

شہناز نے آنسو پوچھ ڈالے اور اپنی بچکیوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

”تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں شروع عی سے تمہیں بے گناہ سمجھتا رہا ہوں..... جب تمہارا
وارث گرفتاری نکلا تھا تو میں ان سکڑ سنہا سے لڑ گیا تھا۔“

”وارث گرفتاری!“ شہناز چونک کر بولی۔ ”وہ کس لئے۔“

”تمہارے غائب ہو جانے کے بعد تمہارے گھر سے ایک مشکوک خط برآمد ہوا جس
میں کسی گروہ کی طرف سے غائب ہو جانے کی ہدایت دی گئی تھی۔“

”میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کے کسی خط کا علم نہیں اور نہ میرا تعلق کسی
گروہ سے ہے۔“

”اب قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”تمہاری بے گناہی سورج کی
طرح روشن ہے۔“

”اچھا یہ بتا سکتی ہو کہ تم کس کی قید میں ہو۔“

”یہ مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ البتہ مجھے قید کرنے والے مجھ پر مہربان ضرور
ہیں..... انہوں نے مجھے بھجوں نہیں مارا۔“

”اچھا تو کیا کوئی کھانا لے کر آتا ہے۔“

”نہیں..... اس سامنے والی دیوار کی جگہ میں ایک درازی پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سے کھانا اندر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جب میں برتن اس دراز سے باہر نکال دیتی ہوں تو دراز خود بخوبی بند ہو جاتی ہے۔“

اب حمید نے لیٹئے ہی لیٹئے اس جگہ کا جائزہ لیتا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا ایک طرف بڑی سی میز اور کچھ کریساں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی ساخت ہماری تھی کہ وہ تہہ خانہ ہے، چھت میں دو تین جگہ موٹے موٹے اور دھند لے شیشے لگے ہوئے تھے، جن کے ذریعہ تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شیشے اس قدر دھند لے تھے کہ اس کے پار کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس پورے کمرے میں باہر جانے کے لئے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صرف ایک دروازہ نظر آ رہا تھا وہ بھی اس کمرے کے ایک کونے میں بنی ہوئی کوٹھڑی کا تھا۔

”کیا یہ دروازہ باہر جانے کا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں عسل خانہ ہے۔“

”تو اس کا مطلب کہ یہ کمرہ نہیں ہمارا مقبرہ ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”ذرعاً تھے پاؤں میں کچھ طاقت آئے تو باہر نکلنے کی جدوجہد کی جائے۔“

اتھے میں سامنے والی دیوار کی جگہ میں ایک کھلکھلے کے ساتھ دو بالشت چوڑی دراز پیدا ہو گئی جس سے ایک کشتمی جس میں ناشستہ تھا کمرے کے اندر رکھ کا دی گئی۔ شہناز نے بڑھ کر کشتمی اٹھا لی۔ حمید اس دراز کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دراز کی باقاعدہ حفاظت کی جاتی ہو گی۔ حمید خیالات میں الجھتا رہا۔ اتنی دیر میں شہناز نے دوپیالیاں چائے کی تیار کیں۔ حمید کو قطعی بھوک نہیں تھی لیکن شہناز کے اصرار پر کچھ نہ کچھ کھانا بھی پڑا۔ شہناز نے برتن اسی دراز سے واپس کر دیے۔

”کل بیک میں بہت پریشان تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میں اپنے گھر عی میں بیٹھی ہوں۔“ شہناز نے کہا۔

”خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنے گھر میں ہو گی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی کام
ختم کیا ہے۔“

”وہ کیا.....؟“

”یہی کہ اس حادثے سے پہلے میں فریدی صاحب کو یہاں کے مفصل حالات لکھ دیے
تھے۔“

”تو کیا فریدی صاحب موجود نہیں تھے۔“

”نہیں..... وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔“ حمید نے کہا اور اس کے بعد اس نے شروع سے
لے کر آخر تک شہناز کو سارے واقعات بتا دیے۔

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں لیڈی سیتا رام کی قید میں ہوں۔“ شہناز نے حیرت
سے کہا۔

”قطیعی.....!“

”لیکن آخر کیوں.....؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔“

”وہ دراصل اپنا جرم کسی دوسرے کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ اتفاق سے تم ہی زد میں
آگئیں۔“

”تو کیا لیڈی سیتا رام ہی رام گھم کی قاتل ہیں۔“

”حالات تو بھی کہتے ہیں۔“

”اب مجھے یہاں سے نجٹ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔“

”ایسا مت سوچو..... فریدی صاحب ضرور آئیں گے اور اگر وہ نہ بھی آئے تو میری
موجودگی میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔“

”آپ بہت اچھے آدمی ہیں.....!“ شہناز نے کہا۔

”بس اتنی سی بات..... نہیں میں بہت برا آدمی ہوں۔“

”ہوں گے لیکن میرے لئے نہیں۔“

”تو کیا واقعی تم بھے پر بھروسہ کرتی ہو۔“

”آخ رکیوں نہ کروں۔“

”ایک بات پوچھوں..... یہ کہ تم نے لیڈی سیدارام کے یہاں کائنٹوں کیوں چھوڑ دیا تھا۔“

”مجھے ناپسند تھا۔“

”آخ رکن اپنے دیگی کی وجہ۔“

”وہاں کئی بہت سی آوارہ اور اوباش قسم کے لوگ آنے لگے تھے۔ اکثر وہ مجھے بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیز مجھے ناپسند تھی۔“

حید کچھ اور پوچھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ شہناز نے اُسے روک دیا۔

”آپ زیادہ باتیں نہ کہجئے..... سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے..... کہیں پھر چکرنا آجائے۔“

”اتھ دنوں کے بعد تم ملی ہو..... دل چاہتا ہے بس باتیں کئے جاؤ۔“

”نہیں بس آنکھ بند کہجئے..... میں سرہلااتی ہوں۔“

حید نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ ہولے ہولے اس کا سرہلانے لگی۔ حید کو اپنے دل میں ایک عجیب قسم کی غم آلو دز ماہث پہلی معلوم ہونے لگی۔ وہ خلوص اور پیار جس کا ہر مرد ایک عورت سے متنبھی ہوتا ہے حید کو آج تک نہ ملا تھا۔ حید کو شہناز کے اس رویے میں ایک ایسی لگاؤٹ محسوس ہوئی جسے مانتا کے بعد درجہ ذیا جاسکتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔

”ارے..... ارے آنسو کیوں؟“

”کچھ نہیں.....!“ حید نے کھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ کو میری قسم بتائیے کیا بات ہے۔“

”مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔“ حید نے کہا۔

”فی الحال آپ اپنی حالت دیکھئے..... میری بعد میں دیکھنے گا۔“

”یہ آفت تم نے خود اپنے سرموں لی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”وہ کیسے.....؟“

”نہ تم اتنی سو شل ہو گئی اور نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔“

”اپنی اس حماقت پر تو عرصہ سے رو رہی ہوں۔“ شہزاد نے کہا۔ ”اگر بھی آسمان دیکھنا نصیب ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی بر کرنے کی کوشش کروں گی۔“

”جب تک کہ ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی محی نہیں رکھتی۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... اب یہ بات میری سمجھ میں بھی آگئی ہے۔“

”خیر چھوڑوان یا توں کو..... اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔“ حمید نے اٹھے ہوئے کہا۔

”تو لیئے رہئے ہے؟.....؟“

”نبیں یہ لیٹھنے کا وقت نہیں۔ اب کسی لمحے بھی ہم موت سے ”وچار ہو سکتے ہیں۔“

”وہ کیسے.....؟“

”کرہل پر کاش مخفی یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں لایا ہے کہ میں کون ہوں۔ میں نے اس کا راز معلوم کر لیا ہے..... لہذا وہ مجھے بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔“

”خدا خواتر..... اسکی بات منہ سے نہ نکالئے۔“

”میں بھی کہہ رہا ہوں شہزاد..... یہاں سے نکل کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔“

حمید اٹھ کر تہہ خانے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی محنت اور جانختانی سے دیوار کا ایک ایک حصہ ٹھوک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہنچنے پہنچنے ہو گیا لیکن کوئی نتیجہ نہ اٹکا۔

”معلوم ہوتا ہے شاید مرنے کا وقت بچ قریب آگیا ہے۔“ حمید نے بے بسی سے کہا۔

شہزاد کے چہرے پر ہوا یاں اڑ رعنی تھیں، وہ غریب حال ہو کر چٹائی پر لیٹ گئی۔

”کیوں..... کیا بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کچھ نہیں..... یونہی چکر سا آگیا ہے۔“

”مگر اونہیں..... ضرور کوئی نہ کوئی اچھی صورت پیدا ہو گی۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں۔

بے گناہوں کا کوئی بال بھی بیکانہیں کر سکتا۔“ حمید نے کہا۔

شہزاد نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بیٹھا سوچتا رہا۔ دھنٹا اس کا خیال دیوار کے اس حصے کی طرف گیا جہاں دراز پیدا ہوئی تھی۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ وہیں قریب عی فرش کی ایک اینٹ اکھڑی ہوئی تھی اور خالی جگہ اتنی بھری ہوئی تھی کہ سطح فرش کے برابر ہو گئی تھی۔ حمید نے پہلے تو اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا لیکن پھر سوچنے لگا کہ یہاں اس تہہ خانے میں اتنا گرد و غبار کہاں سے آیا کہ خالی اینٹ کی جگہ خود بخود بھر گئی اور اگر اینٹ نکل جانے کے بعد اس میں مٹی اس نے بھری گئی ہے کہ فرش برابر ہو جائے تو یہ بات بالکل بے عکسی ہی گئی ہے۔ کیونکہ جہاں اس جگہ دوسری اینٹ جڑی جا سکتی تھی مٹی سے اسے بھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمد نے ادھر ادھر دیکھا۔ میز پر ایک چچپہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے مٹی کھو دنے لگا۔ کافی مٹی نکل جانے کے بعد اچاک چچپہ کی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی نکالنی شروع کی۔ یہ سخت چیز لو ہے کا ایک لٹو تھا۔ اس نے اسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن اس میں جنتیں بھی نہ ہوئی۔ اس نے اب اسے دوسری طرف گھماٹا شروع کیا۔ ذرا سی محنت کے بعد یہ لٹو گھومنے لگا اور جہاں پر دراز پیدا ہوئی تھی وہاں کی دیوار کا کچھ حصہ آہستہ اور پرانگہ رہا تھا۔

”شہزاد یہ دیکھو.....!“ حمید خوشی میں چیخا۔

شہزاد اور حمید کھڑے تھیں ہو کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار میں ایک قد آدم دروازہ نمودار ہو گیا تھا۔ چند گز کے فاصلے پر اور جانے کے لئے زینے تھے۔

دوسرا بھیانک ناچ

ابھی دونوں کی حیرت رفع نہ ہوئی تھی کہ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کرٹل پر کاش اور لیڈی سیدارام نے زینے ملے کرتے ہوئے نیچے کی طرف آرہے تھے۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے پہاڑ پر سے زمین کی طرف لڑکا دیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کرٹل پر کاش نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

”بڑے چالاک ہو بخوردار.....“ اس نے جیب سے پستول ٹالتے ہوئے کہا۔ ”جیچے ہنو۔“

شہناز اور حمید کم کر جیچے ہٹ گئے۔

”لو ریکھا اچھے وقت پر بھنگ گئے ورنہ یہ ابھی چوتھی دے گیا تھا۔“ کرٹل پر کاش نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”ڈارٹ لگ۔ تم ہمیشہ تمیک وقت پر کام کی باتیں سوچتے ہو۔“ لیڈی سیدارام اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

”تم لوگ وہاں کونے میں جا کر بیٹھو۔“ کرٹل پر کاش نے حمید اور شہناز سے کہا۔

”اگر ذرہ براہمی شرات کی تو یاد رکھنا یہ پستول بڑا خونی ہے۔“

حمید اور شہناز کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

”جانقی ہو ریکھا ڈارٹ لگ یہ کون ہے۔“ پر کاش نے کہا۔

”نہیں۔۔۔“

”سرکاری سراغ رسال سار جنت حمید۔۔۔!“

”اے.....!“

”ہاں..... یہ مجھے صح کو معلوم ہوا۔ کہو بیٹا حمید صاحب اب تمہارا کیا حشر کیا جائے۔“

”کرٹل پر کاش کان کھول کر سن لو..... اگر میرا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میرا استاد

تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہے تم پاتال ہی میں جا کر کیور چپو۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا ریکھا..... ابھی میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ افریقہ چلنے کی

کیا رہی۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں اپنے دونوں ہار لئے بغیر ہی چلا جاؤں گا۔ تم سے زیادہ ان

ہاروں کی قیمت نہیں ہے۔“

”مگر یہ ابھی کیسے ممکن ہے۔“ لیڈی سیتارام نے کہا۔

”جو چیز تمہیں روک رہی ہے میں اسے بھی سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو..... سریندر کو مجھ

سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔“

”کیا مطلب.....!“ لیڈی سیتارام چوک کر بولی۔

”اے تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا وہ کل رات والا کاغذ یاد نہیں، جو میں نے

سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو..... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز تعلقات

ہیں۔ رام نگہ کے ہاتھ تمہارا ایک خط لگ گیا تھا، جو تم نے سریندر کو لکھا تھا، وہ آئے دن تم

لوگوں کو اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے دھرم کا کرتم سے روپیہ ایسٹھتا تھا آخر ایک دن نگف آکرم

نے اسے قتل کر دینے کا پلاٹ بنایا اور اسے قتل بھی کر دیا۔ کرٹل پر کاش سے کوئی بات جھپی ہوئی

نہیں ہے۔“

لیڈی سیتارام کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کا نپ رہی تھی۔

”لیکن میری ریکھا..... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری بھچلی زندگی

سے کوئی سروکار نہ رکھوں گا۔ محبت اندر ہوتی ہے۔ وہ اچھائی یا برائی کچھ نہیں دیکھتی۔“

”کرٹل میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اتنی برا سیوں کے باوجود بھی مجھے میں کچھ محبت کا

جذبہ موجود ہے اور میں اسے صرف تمہارے ہی لئے وقف کر چکی ہوں۔ میں کیا بتاؤں کہ کن

بجبور یوں کے تحفہ سریندر.....!

”سریندر کے ساتھ عیاشی کرتی تھی۔“ دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

سب کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں۔ دروازے میں سریندر ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا، جس کا رخ کرٹل پر کاش کی طرف تھا۔

”تم دونوں یہ آرزوی لئے ہوئے دنیا سے چلے جاؤ گے۔“ وہ گرج کر بولا۔

کرٹل پر کاش نے اٹھنا چاہا..... سریندر نے بیٹھ کر لٹو گھما دیا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔

”خبردار..... اپنی جگہ سے بنا مت.....!“ سریندر نے جیچ کر کہا۔

کرٹل پر کاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قیصر لگایا۔

”بچھے ہوں..... بچھے ہوں..... نہیں تو گولی چلا دوں گا۔“ سریندر چینا۔

”چلا بھی دو میری جان۔“ کرٹل پر کاش رک کر بولا۔ ”مجھے تم سے بھی اتنی ہی محبت ہے

جنہی کر ریکھا سے ہے۔“

”چپ رہو..... سور کے بچے۔“ سریندر نے گرج کر کہا اور ٹریگر دبادیا۔ مگر دھاکے کی

آواز نہیں سنائی دی۔

کرٹل پر کاش نے پھر قیصر لگایا۔ سریندر گھبرا کر پستول کی طرف دیکھنے لگا۔

”واہ برخوردار..... اسی کے مل بوتے پر بہادری دکھانے چلے تھے۔ سنو پیٹا..... میں

ماتھے کی لکیروں میں دل کا حال پڑھ لیتا ہوں، میں نے اسی وقت تمہاری جیب میں پڑے

ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اوپر مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات سی

سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلو گے۔ تو گویا تم اس تھہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ

بنانا چاہتے تھے۔ خیراب بھی یہاں تین ہی لاشیں ہوں گی۔“

کرٹل پر کاش نے بڑھ کر سریندر کی گردن پکڑ لی۔ سریندر بچوں کی طرح جیچ رہا تھا۔ کرٹل

نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

”دیکھو سریندر میں اب تم سے سمجھوئے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ریکھا کو نکال لے

جانے میں مدد نہیں کا وعدہ کرو تو تمہیں چھوڑ دوں۔“

”مجھے منکور ہے۔“ سریدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”یوں نہیں۔“ کرٹل بخس کر بولا۔ ”تم بہت بھائیک آدمی ہو۔ تمہیں اپنا فصل تبدیل کرتے دینیں لگتی۔ میں کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے ہمیشہ تمہاری کور مجھ سے دلتی رہے تاکہ تم بعد میں کوئی شرارت نہ کر سکو۔“

”آ خرم چاہے کیا ہو.....؟“

”تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ تم رام نگہ کے قاتل ہو۔ اس پر تمہارے اور ریکھا دونوں کے دلخت ہوں گے۔ تم گھبرا دنیں..... میں یہ صرف اپنے اطمینان کے لئے کر رہا ہوں۔“ سریدر کے سارے جسم سے پیند چھوٹ پڑا۔ بھی وہ لیڈی سیتا رام کی طرف دیکھتا اور کبھی کرٹل پر کاش کی طرف۔

”میں مسودہ تیار کئے دیتا ہوں۔ تم دونوں اپنے دلخت کر دو۔“ کرٹل پر کاش نے کہا۔

”میں کیوں دلخت کروں۔“ ریکھانے کہا۔

”ریکھاڑا رانگ..... تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ تمہارے دلخت سے یہ چیز اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ تم بطور گواہ اس پر دلخت کرو گی۔ تمہیں ہم دونوں چین سے رہ سکتیں گے، ورنہ یہ دعترت۔“

کرٹل پر کاش نے جلدی جلدی مسودہ تیار کیا اور دلخت کے لئے سریدر کی طرف بڑھا دیا۔ سریدر نے ماتھے کا پینہ پوچھتے ہوئے دلخت کر دیئے۔ لیڈی سیتا رام نے بھی اس کی تھیڈ کی، کرٹل پر کاش نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

”اب تم دونوں مر نے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے حمید اور شہناز کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپاٹک کرٹل پر کاش نے جگلیوں کی طرح اچھل اچھل کر ناچا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا لیکن مفہوم ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ کیونکہ زبان غیر ملکی تھی۔ وہ وحشیوں سے چھتر ہوتا جا رہا تھا۔

”پر کاش ڈار لنگ..... پر کاش ڈار لنگ.....!“ لیڈی سیتا رام جھنی۔

کر لی پر کاش اسی طرح ناچتا ہوا بولا۔ ”بولومت..... بولومت..... جمیں نصیل چمیں گیر دلا۔ میں خوشی کا ناج ناج رہا ہوں۔ افریقہ کے جنگلیوں کا ناج..... گیر والا چینی ٹھنا کیں گیر والا۔“

ناپتے ناپتے اس کا چشمہ اچھل کر دیوار سے جاگ کرایا۔ موچھے اور ڈازھی اکٹھ کر فرش پر آرہی اور حمید بے اختیار جھپڑا۔ ”فریدی صاحب۔“

فریدی کھڑا تھیئے لگا رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام جھنی مار کر بیہوش ہو گئی۔ سریدر بیٹھا اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے جاڑا دے کر بخار آ گیا ہو۔

فریدی نے جیب سے ہھکڑیاں نکال کر حمید کو دیں۔ حمید نے جلدی جلدی دونوں کو ہھکڑیاں پہنچا دیں۔

خوشگوار لمحے

فریدی اور حمید اپنے ڈرائیگر روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

”ابھی تک جکد لش نہیں آیا۔“ فریدی نے گھری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا واقعی اس کیس کی کامیابی کا ذمہ دار اسی کو بنا کیں گے۔“ حمید بولا۔

”میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس نے لیڈی سیتا رام کے بارے میں مجھے نہ بتایا ہوتا تو میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ساری دردسری محض شہناز کے لئے مول لی تھی۔“

”تو کیا آپ واقعی شہناز.....!“ حمید بے اختیار بول پڑا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

”تم اچھے خاصے نہ ہو۔ شہناز کی علاش مجھے محض تمہارے خیال سے تھی، تم اتنی جلدی

بدگان کیوں ہو جاتے ہو۔“

”معاف کیجئے گا..... میں سمجھا شاید۔“

”جی نہیں..... آپ براہ کرم مجھ سے پوچھئے بغیر کچھ نہ سمجھا کیجئے۔ میں اور عورت... لا حول ولا قوۃ۔“

”اچھا صاحب..... لا حول ولا قوۃ.....!“ حمید فس کر بولا۔

”آؤ شہناز آؤ.....!“ فریدی دروازے کی طرف مرڑتے ہوئے بولا۔
شہناز مسکراتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

”یولو! حیداب کیا کہتے ہو..... کہہ دوں شہناز سے۔“ فریدی نے فس کر کہا۔
حمید بوكھلا گیا۔

”کیا بات ہے۔“ شہناز پیٹھتی ہوئی یوں۔

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔
”خیر کہو شہناز کوئی نئی بات۔“ فریدی نے کہا۔

”کوئی نئی بات نہیں..... نئی باتیں تو میں آپ سے سننے آگئی ہوں۔“

”ہاں اب سارے حالات بتا جائیے، مجھے بھی بہت بے چنی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”حالات کوئی خاص نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے بڑی بے دردی سے تمہارا سر پھاڑ
دیا تھا۔“

”اس کی شکایت تو مجھے بھی ہے۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کر دیتے تو میں خود یعنی بیہوں
ہو جاتا۔“

”ضرور ضرور..... آپ سے بھی امید ہوتی تو اتنی طلبازیاں کھانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ وہ کاغذ کیسا تھا، جو آپ نے سریدر کو دیا تھا اور ہار چانے کی کیا
ضرورت تھی۔“

”اتما یعنی سمجھنے لگو تو پھر سر جنت کیوں.....“ فریدی فس کر بولا۔ ”اچھا شروع سے نہا۔

ہوں۔ جگد لیش سے لیڈی سیتا رام کے متعلق معلوم کر لینے کے بعد بھی میرا ارادہ خواہ تجوہ اس جھکڑے میں پڑنے کا نہیں تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ شہناز غائب کردی گئی ہے تو میں نے اُسی وقت پلاٹ تیار کر لیا، جب ہم لوگ ان کی طلاش میں سرکیس ناپتے پھر رہے تھے۔ چھٹی میں نے بچھے اس لئے لئی چاہی تھی کہ کتوں کی نمائش میں حصہ لوں۔ لہذا شہناز کے غائب ہو جانے کے بعد بھی میں اسی پر اڑا رہا کہ جاؤں گا۔ تم مجھے اشیش چھوڑنے آئے تھے۔ مجھے ٹرین پر سوار کر کر تم واپس لوٹ گئے تھے۔ میں اگلے اشیش پر اتر گیا۔ وہاں سے بھیں بدل کر شہر واپس آیا۔ مجھے سریتا رام سے جان پچھان پیدا کرنی تھی، اس لئے میں نے کرٹل پر کاش کا شہر واپس آیا۔ مجھے اسی پر کاش کا ایک مشہور شو قین تھا اور اپنے افرانی نسل کے ملود ڈگو کی وجہ سے مجھے اور بھی آسانی ہو گئی۔ میں نے آر لپچو کا وہی کرہ کرایہ پر لیا جس میں رام سنگھ تھہرا ہوا تھا۔ ایک دن اچانک جب کمرے کی صفائی ہو رہی تھی مجھے قاتلین کے بیچے ایک خطال گیا۔ یہ خطال میں بھیں بالکل یقین ہو جائے کہ میں وہیں گیا ہوں اس دوران میں۔ میں نے سہیں آر لپچو میں لیڈی سیتا رام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ وہ بہت جلد قابو میں آ گئی۔ پھر میں سریتا رام سے پارک میں ملا اور جب واپس لوٹ رہا تھا تو تم میرا تعاقب کر رہے تھے اب میں دیدہ دانت تھیں تعاقب کا موقع دینے لگا۔ تمہاری موجودگی میں ہمیشہ میں کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کر بیٹھتا جس سے تمہارا شہر اور زیادہ پختہ ہو جائے۔ اس دن بالکل میں بھی تم نے ہم دونوں کی باتیں سنی تھیں اور اس کے بعد سریدر اور ریکھا کی باتیں بھی سنی تھیں۔ مجھے پسلے ہی یقین تھا کہ سریتا رام کی کوئی تہہ خانہ ضرور ہے اور شہناز صاحب اسی میں بند ہیں اور یہ تو میں پسلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ بے چارہ سریتا رام ان واقعات سے بالکل لا عالم ہے لہذا میں نے اس پوشیدہ مقام کا پتہ لگانے کے لئے ہارچا نے والا پلاٹ بنایا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم سایہ کی

طرح میرے پہنچے گئے رہتے ہو۔ لہذا تم آج بھی ہماری گفتگو سننے کی ضرور کوشش کرو گے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ اگر تمہیں اس بات کا پہلے سے علم ہوتا تو واقعات میں اتنی بے سانحگی ہرگز نہ پیدا ہو سکتی۔“

”وہ تو سب کچھ ہے لیکن مجھے پکڑ آنے لگے ہیں..... اس کا کیا علاج ہو گا۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ اس کا علاج تو.....!“ فریدی اتنا کہہ کر شہناز کی طرف دیکھنے لگا اور شہناز نے شرما کر سر جھکایا۔

”ہاں بھی..... اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا کانج کی ملازمت جاری رکھو گی۔“ فریدی نے شہناز سے کہا۔

”اب بھی آپ رائے دیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں جو مجھے کوئی معقول مشورہ دے سکے۔“
”میرے خیال سے اب ملازمت ترک کر دو۔ اس واقعے کے بعد سے تمہاری کافی بدنامی ہو چکی ہے۔ ہر چند کہ تم بے گناہ تھیں، لیکن اس قسم کی بدنامی کے اثرات مشکل ہی سے منٹے ہیں۔“

”تو پھر بتائیے میں کیا کروں۔“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اور حمید ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ میری مانو تو..... کیوں حمید صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔“

حمد شرمانے کی ایمنگ کرنے لگا اور شہناز جو صحیح شرماری تھی، ضبط کرنے کے باوجود بھی اپنی نہیں نہ روک سکی۔

اتھے میں انپکٹر جملہ نے آگیا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھولی پڑ رہی تھی۔

”آؤ بھی جلد لش صاحب، خوب وقت پر آئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”حمد ذرا جائے کے لئے کہہ دو۔“

”میں آپا شکریہ کس منہ سے ادا کروں انپکٹر صاحب..... کہ آپ نے میرا کیسی یہ بنا دیا۔“

”شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر تم میری مدد نہ کرتے تو بیچاری شہناز نہ جانے کہاں ہوئیں۔“

”میں نے تو صرف زبانی مدد کی تھی، لیکن آپ نے اتنی تکلیفوں کا سامنا کر کے میرے لئے ترقی کی راہ نکالی۔“

”اگر ایسا عیسیٰ ہے تو پھر شہناز کا شکریہ ادا کرو۔ نہ یہ اس طرح غائب ہوئیں اور نہ میں اس کیس میں ہاتھ ڈالا۔“

”اچھا صاحب..... شہناز بہن کا بھی شکریہ۔“ جگد لیش نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

”اچھا جگد لیش..... لیڈی اقبال کا ہار بھی لیتے جانا، یہ کارنامہ بھی تمہارا عیسیٰ رہیگا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ جگد لیش نے حیرت سے کہا۔

فریدی نے اُسے ہار کی چوری کے سارے واقعات بتائے۔ جگد لیش کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

”لیکن میں لیڈی اقبال سے کہوں گا کیا۔“

”سید گی کی بات ہے..... کہہ دینا کہ شاید بھاگتے وقت چور کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔“

مجھے ایک نالی میں پڑا ملا۔

”آپ کے احتمانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔“ جگد لیش نے کہا۔

”اچھا یہ تو بتاؤ کہ سنہا کا کیا حال ہے۔“

”منہ لٹکا رہتا ہے..... بات بات پر مجھ سے الجھ پڑتا ہے۔“

”خیروہ تو ہونا ہی تھا.....!“ حمید نے کہا۔

چاروں چائے پینے لگے۔ کبھی کبھی حمید اور شہناز نظریں چاکر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے اور عجیب قسم کی شرمیلی مکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگتی۔

ختم شد